19

اخلاق اور معاملات کی درستی کی تلقین

(فرمودہ ۲۲ مئی ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں اخلاق کے متعلق اور معاملات کے متعلق کچھ بیان کیا تھا اور اس کی طرف دوستوں کو توجہ دلائی تھی۔ آج میں اسی سلسلۂ مضمون میں بعض اصولی مسائل کو لینا چاہتا ہوں جن کے ذریعہ اخلاق اور معاملات کی درستی میں مدد ملتی ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے ایسا پیدا کیا ہے کہ اس کی اخلاقی اور دنیوی ترقی بہت حد تک اس کی اپنی ذات کے ساتھ ہی تعلق نہیں رکھتی بلکہ اس کی ترقی کی وابستگی دیگر بنی نوع انسان کے ساتھ بھی تعلق رکھتی ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں جو اپنی ذات میں اپنی ترقی اور اصلاح میں بعض دوسرے لوگوں کا محتاج نہیں۔ اور اس کی ترقی دوسروں کے ساتھ وابستہ نہ ہو اس کے سارے کے سارے اعمال دوسرے لوگوں کے وجودوں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ بعض خدا تعالیٰ سے اور بعض انبیاء و رسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور بعض امور میں وہ دوسرے انسانوں سے مل کر خدا تعالیٰ کا قرب پانے اور اس کے فضلوں کو حاصل کرنے کا محتاج ہے۔ پس کیا بلحاظ اخلاق اور کیا بلحاظ معاملات۔ انسان کامل ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ دوسروں سے تعلق نہ رکھے اور ان سے سیکھے نہیں۔ ہم انسان کی بناوٹ کے لحاظ سے دیکھتے ہیں کہ اس کے علم کا بیشتر حصہ وہ ہے جو وہ دوسروں سے سیکھتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں ایک انسان کے علم کے اگر سو نمبر ہوں تو ان میں سے ننانویں نمبر ایسے ہوں گے۔ جو اس نے دوسروں سے حاصل کئے ہوں گے۔ اور شائد ایک اس کے تجربہ کا نتیجہ ہو گا۔ ہمارا کھانا۔ پینا۔ سونا۔ لکھنا۔ پڑھنا۔ کوئی پیشہ صنعت یا حرفت کرنا۔ یہ تمام ایسے امور ہیں جو دوسروں سے سیکھے جاتے ہیں۔

ہم کھانا کھاتے ہیں اور کھانے کے لئے گیہوں کو منتخب کرتے ہیں مگر ہمارا یہ انتخاب اس لئے نہیں کہ ہم نے خود تجربہ کرنے کے بعد اس کو منتخب کیا ہے۔ بلکہ اس لئے ہے کہ ہمارے ماں باپ اور بڑوں نے اس کو منتخب کیا اور کھایا ہے۔ اسی طرح ہم سالن میں نمک مرچ ڈالتے ہیں۔ اس کا مفید ہونا نہ ہونا ہم نے اپنے تجربے سے معلوم نہیں کیا۔ بلکہ ماں باپ کے تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح سبزیوں کے متعلق کہ فلاں گرم ہے۔ فلاں گلے کو نقصان پہنچاتی ہے۔ فلاں کھانسی پیدا کرتی ہے۔ کیا ہم نے خود تجربہ کر کے دیکھا اور معلوم کیا ہے۔ نہیں بلکہ ہم نے ماں باپ سے سنا اور مان لیا۔ اسی طرح ادویہ کا حال ہے ڈاکٹروں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس نے ہر ایک دوائی کو خود تجربہ کر کے اس کا مفید یا غیر مفید ہونا معلوم کیا ہو۔ شائد کوئی ایک آدھ دوائی ایسی ہو جو کسی ڈاکٹر کو ذاتی تجربہ سے معلوم ہوئی ہو۔ ورنہ سب کی سب دوائیں ایسی ہوتی ہیں کہ کتابوں میں لکھا ہوتا ہے۔ یہ بلغم نکالتی ہے۔ یہ ورم پیدا کرتی ہے۔ یا یہ درد دور کرتی ہے وغیرہ۔ تو انسان کے علم کا اکثر حصہ وہی ہوتا ہے جو دوسروں سے سنی سنائی باتیں ہیں۔ بلکہ اگر صبح سے شام تک انسان جو افعال کرتا ہے۔ اور جن کو اچھا یا برا کہتا ہے انہیں دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ بعض دفعہ سارے دن میں ایک بھی ایسی بات نہیں ہو گی جو اس نے اپنے تجربے سے معلوم کی ہو کہ یہ اچھی ہے یا بری۔ بلکہ سب کی سب دوسروں کی تجربہ شدہ ہوں گی۔ پس ہمارے علم کا بیشتر حصہ دوسروں کا محتاج ہے۔

اس لئے ہر ایک بات کی بنیاد صرف اپنی عقل پر رکھنا درست نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ انسان کی اپنی واحد عقل بھی اس کے علوم کی ترقی کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن یہ بات بھی تو ہے کہ بنی نوع انسان کی مجموعی عقل بھی ایک بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ پس صرف اس کی واحد عقل ہی اس کی ترقی کا ذریعہ نہیں۔ بلکہ اور بھی بیسیوں عقلیں ہیں۔ جن کا اس کی ترقی میں ہاتھ ہے اور وہ اپنے مقابلہ میں اپنی واحد عقل کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس وقت یہ نہیں کہتا کہ میں ہی صحیح کہتا ہوں اور دوسرے غلط کہتے ہیں۔ کیونکہ علم کے حصول کے لئے یہ کافی نہیں کہ اس کی عقل کہہ دے کہ یہ بات یوں ہے تو وہ اسی طرح ہو۔ بلکہ دوسروں کی عقلیں جو کہتی ہیں وہ درست ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کی عقلیں کیا چیز ہیں۔ بلکہ عملی طور سے اسے یہی ماننا پڑتا ہے کہ اس کی عقل ان عقلوں کے مقابلہ میں کچھ چیز نہیں۔ اپنی واحد عقل کا فیصلہ اسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب کہ یہ کہا جائے کہ عقل کبھی غلطی نہیں کرتی۔ اور جب یہ کہا جائے گا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سب عقلوں کو ایک ہی فیصلہ

کرنا چاہیے۔ یعنی جو بات ایک عقل کہتی ہے وہی ساٹھ ستر یا سو عقلیں کہتی ہوں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ عقلوں کے فیصلہ میں اختلاف ہوتا ہے۔ اس پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عقل تو دوسروں کی بھی وہی کہتی ہے جو اس کی کہتی ہے۔ لیکن وہ دھوکہ اور فریب کی راہ سے اس کے خلاف کہتے ہیں۔ کیونکہ روزمرہ کے واقعات اس امر کی تردید کرتے ہیں۔ اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل اکثر غلطی کرتی اور ٹھوکریں کھاتی ہے۔ پس جب عقل غلطی کرتی ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایک عقل ساٹھ یا ستر عقلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ورنہ پھر یہ کہا جائے گا کہ سو آدمی جو ایک آدمی کی عقل کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں وہ پاگل ہو گئے ہیں۔ اور ان کی عقلیں ماری گئی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بات بھی غلط ہے۔ اس لئے یہ بھی صحیح نہیں کہ ہم نے اپنی عقل سے جو فیصلہ دیا وہ صحیح ہے۔ لیکن دوسرے ساٹھ یا ستر آدمیوں نے جو فیصلہ دیا ہے۔ انہوں نے بیوقوفی کی ہے۔

جب کہ عقل غلطی کر سکتی ہے اور کرتی ہے تو پھر ایک کی عقل کے مقابلہ میں ساٹھ یا ستر آدمیوں کی عقلیں سچائی اور صحت کے دریافت کرنے کے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ساٹھ یا ستر آدمیوں کی عقلیں بھی غلطی کر جائیں۔ مگر بالعموم جب وہ بے غرض ہو کر کسی معاملہ کے متعلق سوچیں گے تو اس کا بیشتر حصہ ایسا ہو گا جو صحیح اور درست ہو گا۔ پس اگر انسان یہ ارادہ کر لے کہ وہ بہتوں کی عقلوں کے استدلال کا نتیجہ قبول کر لے گا تو وہ عموماً صحیح نتیجہ پر پہنچ جائے گا۔ ورنہ اگر وہ اپنی واحد عقل کو بہتوں کی عقل پر ترجیح دے گا اور ان کو غلطی پر قرار دے کر ان کے فیصلہ کو رد کر دے گا تو وہ کبھی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے گا۔ میرے نزدیک اخلاقی تباہی کی یہ بڑی بھاری وجہ ہے۔ کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو جس کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے وہ ذاتی فوائد کو مدنظر رکھ کر دوسروں کے فیصلہ کے متعلق یہ کہہ دیتا ہے کہ میری عقل میں یہ بات نہیں آتی اس لئے میں نہیں مانتا۔ دنیا میں مختلف معیار سچائی کے پرکھنے کے لئے ہوتے ہیں۔

دین میں معیار تو یہ ہے کہ جو بات ہماری عقل میں نہیں آتی ہم اس کے ماننے کے لئے مجبور نہیں۔ اگر کوئی بات دین کی ہماری سمجھ میں نہیں آتی تو خدا تعالیٰ ہمیں معذور قرار دے گا۔ ہاں اگر ایک دین کی صداقت کسی کی عقل اور سمجھ میں آگئی ہے مگر وہ اس لئے اسے قبول نہیں کرتا کہ دوسرے لوگ یوں کہتے ہیں تو وہ شخص قابل مواخذہ ہو گا۔ وہ شخص قابل مواخذہ نہیں ہو گا جس نے نیک نیتی کے ساتھ ایک مذہب کو سمجھنے کی کوشش کی مگر اس کی صداقت اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ لیکن جب کوئی مذہب قبول کر لیتا ہے تو تفصیل شریعت میں پھر یہ بات جاری ہو جائے گی کہ کسی امر

کے متعلق کثرت کی کیا رائے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ ہوتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یزید کے معاملہ میں بہت سے صحابہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا تم واقعی اسے حقدار خلافت سمجھتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ لیکن چونکہ کثرت نے اسے قبول کرلیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی مان لیا ہے۔ تو شریعت کی تفصیل میں آکر کثرت کی عقل اور سمجھ کو مقدم رکھا گیا ہے۔ ان اصولی امور میں دوسروں کی عقلیں معیار نہیں بلکہ اپنی عقل معیار رکھی گئی ہے۔

تو ان معاملات میں جن کا تعلق دوسروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ صرف اپنی عقل کسی طرح معیار نہیں ہو سکتی۔ بہت سے لوگ ایسے پائے جاتے ہیں۔ بلکہ کثرت ایسے ہی لوگوں کی ہے۔ جو معاملات میں دوسروں کے فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اور ان کو غلطی خوردہ قرار دیتے ہیں حالانکہ فیصلہ کرنے والے ایسے ہوتے ہیں جن کا فریقین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ وہ یہ سمجھ کر کہ ہماری عقل اس فیصلہ کو نہیں مانتی اس کا انکار کردیتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی عقل پر بھروسہ کرکے اپنی آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔ اس لئے دوسروں کے حقوق ان کو نظر نہیں آتے۔ ان کے کان بہرے ہو جاتے ہیں اس لئے وہ اپنے فائدہ کی بات کے سوا دوسری کوئی بات سن نہیں سکتے۔ ان کی ناک کی حس ماری جاتی ہے اس لئے سچائی کی خوشبو ان کو نہیں آتی۔ ان کی زبان کا ذائقہ جاتا رہتا ہے۔ ان کی قوت لامسہ ماری جاتی ہے۔ وہ گردوپیش کے حالات کو محسوس نہیں کرسکتے۔ اگر ایسا نہ ہو۔ بلکہ ہر شخص جس کے خلاف کوئی فیصلہ ہو اس بات کو مدنظر رکھے کہ کثرت نے اس کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اور اس کی واحد عقل سے ان کی زیادہ عقلیں صحت اور راستی کے زیادہ قریب ہو سکتی ہیں۔ تو سو میں سے ننانویں فیصلے ایسے ہوں کہ جن میں کسی کی حق تلفی نہ ہو اور حقدار کو اس کا حق مل جائے۔

اگر کثرت کی رائے کو قبول نہ کیا جائے اور اپنی عقل کے مقابلہ میں اسے رد کردیا جائے تو پھر دیکھو انتظام اور تمدن میں کس قدر تباہی واقعہ ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کا کچھ روپیہ دینا ہے۔ دینے والا سمجھتا ہے کہ مجھے اتنا روپیہ دینا ہے لینے والا سمجھتا ہے کہ مجھے اس سے زیادہ لینا ہے۔ اب ضروری نہیں کہ دینے والے نے اتنا ہی دینا ہو جتنا وہ کہتا ہے۔ یا لینے والے نے اس سے زیادہ ہی لینا ہو جتنا دینے والا مانتا تھا۔ کیونکہ حرص اور طمع کی وجہ سے اگر ایک گھٹاتا ہے تو دوسرا بڑھا بھی سکتا ہے۔ لیکن دوسرے لوگ جو ان دونوں کے بیانات کو سنتے ہیں۔ اور پھر تحقیق کرتے ہیں۔ وہ بطور قاضی کے یا بطور دوستانہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اتنا روپیہ بنتا ہے۔

اس فیصلہ کو اگر دینے والا اس لئے رد کر دیتا ہے کہ یہ میری عقل اور میری سمجھ میں صحیح اور درست نہیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ پھر ہمیشہ لوگوں کا حق مارتے رہتے ہیں۔ جس نے دینا ہوتا ہے وہ کہتا ہے مجھے تھوڑا دینا ہے۔ اور جس نے لینا ہوتا ہے وہ کہتا ہے مجھے زیادہ لینا ہے۔ اور دونوں اپنی اپنی عقل پر اپنے دعویٰ کی صحت کی بنیاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ عقل نہ دینے والے کی سلامت ہوتی ہے۔ نہ لینے والے کی۔ الا ماشاء اللہ۔ اور ننانویں فی صد ایسے ہی واقعات ہوتے ہیں کہ نہ واقعہ میں دینے والے نے اتنا دینا ہوتا ہے جتنا اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور نہ واقعہ میں دوسرے نے اتنا زیادہ لینا ہوتا ہے جتنا وہ لینا چاہتا ہے۔ دونوں کی عقل بوجہ حرص اور طمع ماری جاتی ہے۔ ایسی حالت میں جو شخص فیصلہ نہیں مانتا اور اسے رد کرتا ہے اور معاملات میں اپنی عقل کے مقابلہ میں کثرت کی رائے کا احترام نہیں کرتا وہ ہمیشہ خائن ہوتا ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ ننانویں فی صد ایسے لوگ خائن ہوتے ہیں کیونکہ وہ چونکہ خود صاحب غرض ہوتے ہیں اور ان کی عقل ٹھکانے نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ خود صحیح فیصلہ دے نہیں سکتے۔ اور جو بے لاگ اور بے غرض ہو کر فیصلہ دیتے ہیں انہیں وہ جھوٹا اور فریبی قرار دیتے ہیں۔ ہمیشہ میں نے دیکھا ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری بات ہی صحیح ہے اور دوسرے لوگ جو کہتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں ان میں سے سو میں سے ایک ایسا ہوتا ہو گا۔ اور اس ایک کے بھی سو مقدموں میں سے کوئی ایک مقدمہ ایسا ہوتا ہو گا جس میں اس کی رائے اور اس کا فیصلہ صحیح ہو۔ ورنہ ایسے لوگوں کی مثال اس اندھے کی سی ہوتی ہے جو آنکھوں والوں سے کہے میں کس طرح مان لوں سورج موجود ہے۔ جب کہ مجھے نظر نہیں آتا۔ کیا اس اندھے کو سورج نظر نہ آنے سے واقعہ میں سورج نہیں ہوتا۔ تو جتنے لینے والے ہوتے ہیں یا دینے والے دونوں اندھے ہوتے ہیں۔ اور اندھا سوجاکھے کو کس طرح جھٹلا سکتا ہے۔ تو اس کا پہلا اور بد نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا شخص ان لوگوں کو جو ان کا دین اور ایمان بچانے کے لئے اس کے سامنے صحیح فیصلہ پیش کرتے ہیں منافق قرار دیتا ہے۔ وہ تو اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ یہ کسی کا حق نہ مارے یا اپنے حق سے زیادہ نہ لے لے۔ جس سے اس کا دین اور ایمان ضائع ہو جائے گا۔ مگر یہ ان کی نسبت یہ کہتا ہے کہ یہ فریبی منافق اور دھوکہ باز ہیں۔ پھر اس روش کا بد نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا شخص ظالم ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ دوسروں کا حق مارتا ہے۔

تیسرا بد نتیجہ ان کی اس روش کا یہ ہو گا کہ ایسے لوگ اشاعت فاحشہ کے موجب اور مرتکب ہوتے ہیں۔ جس وقت کثرت ان کے خلاف فیصلہ دیتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ساٹھ یا ستر آدمی جو

فیصلہ دیتے ہیں وہ غلطی کر رہے ہیں۔ اس پر ان سب کو بدمعاش اور منافق قرار دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا فیصلہ موجود ہے۔ ڈاکٹر عبدالحکیم نے حضرت مسیح موعودؑ کو لکھا کہ سوائے مولوی نور دین کے کوئی جماعت میں دین دار آدمی نہیں ہے۔ اس پر آپ نے اسے ایک جواب یہ دیا کہ بجائے اس کے کہ میں اپنی جماعت کے لاکھوں دین داروں کو بے دین قرار دوں بہتر ہے کہ میں تم کو جماعت سے خارج کر دوں۔ چنانچہ آپ نے اسے جماعت سے خارج کر دیا۔ کیونکہ اس سے نبی کی ذات پر بہت بڑا حملہ ہوتا ہے اور اس کی بعثت کی غرض ہی بالکل فضول ٹھہرتی ہے۔ خدا تعالیٰ اسے اس لئے مبعوث کرتا ہے کہ اس کے ذریعے دیندار لوگ پیدا ہوں۔ پھر اگر کوئی شخص نبی کی جماعت کو نیک نہیں سمجھتا تو اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ اسے راست باز یقین نہیں کرتا۔ وہ خود منافق اور بے دین ہے جو ساری جماعت کو خراب کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اشاعت فاحشہ کا جو نتیجہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قوم سے بدی کا رعب جاتا رہتا ہے۔ اگر صرف ایک آدمی ایک بدی کا مرتکب ہو تو وہ اپنی بدی کو چھپاتا یا اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ لوگ مجھے کیا کہیں گے۔ لیکن جب وہ یہ سنے کہ اور بھی بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں تو پھر وہ اس بدی کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اور اس کا رعب اس کے دل سے اٹھ جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے صرف میں ہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ میرے شریک ہیں۔ بسا اوقات دیکھا گیا ہے۔ جب ایک شخص کو کہا گیا کہ تم نے یہ فعل کیوں کیا ہے تو جواب میں اس نے کہہ دیا کہ فلاں نے بھی تو کیا ہے۔ وجہ یہ کہ انسان کی فطرت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ جب وہ دوسروں کو کسی جرم میں مبتلا سمجھتا ہے تو اس جرم کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اور بھی بہت سے اس جرم کے کرنے والے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ پہلے خود ٹھوکر کھاتے اور صداقت سے دور ہو جاتے ہیں۔ پھر دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب اور صداقت سے محرومی کا باعث ہو جاتے ہیں۔ پس ایسے لوگ جو معاملات میں کثرت رائے کا احترام نہیں کرتے۔ اول وہ ظالم بنتے ہیں۔ کیونکہ دوسروں کا حق مارتے ہیں۔ پھر قوم کے اخلاق کو اشاعت فاحشہ کے ساتھ تباہ اور برباد کرتے ہیں۔ اور پھر مامور اور خدا کے مرسل پر ان کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔ اور وہ مرتدین میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اگر ایسے معاملات میں انسان یہ سمجھ لے کہ میں لینے والا یا دینے والا ہوں۔ میری عقل جو فیصلہ کرے گی۔ اس میں حرص اور طمع کا دخل ہو سکتا ہے۔ اس لئے اپنی حرص اور طمع کی وجہ سے

میری عقل ماری ہوئی ہے۔ میرے معاملہ میں دوسرے لوگ بے غرض ہو کر جو فیصلہ دیں گے۔ وہی زیادہ صحیح اور درست ہو گا۔ تو پھر وہ کسی کا حق نہیں مارے گا اور ننانویں فی صد ایسے فیصلے ہوں گے جن میں کسی کی حق تلفی نہ ہو گی۔ کیونکہ اس طرح انسان ہوشیار اور چوکس ہو جاتا ہے اور وہ ظلم اور اشاعت فاحشہ سے بھی بچ جاتا ہے۔ مامور اور مرسل پر جو اس کا ایمان ہوتا ہے وہ بھی سلامت اور محفوظ رہتا ہے۔ کیونکہ ایک عقل کے مقابلہ میں زیادہ عقلیں صداقت اور راستی کے دریافت کرنے کے بہت زیادہ قریب ہوتی ہیں اور اگر وہ کبھی سو مقدمات میں سے کسی ایک آدھ مقدمہ کے فیصلہ میں غلطی بھی کریں اور اس کا کچھ نقصان بھی ہو جائے تو یہ نقصان ان فوائد کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھے گا جو اسے دیگر مقدمات میں حاصل ہوئے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے وہ نہ صرف بہت سے جرائم سے بچ گیا بلکہ اس کا دین اور ایمان بھی محفوظ ہو گیا۔ تو اپنی ذات سے جو بات تعلق رکھتی ہو اس کا فیصلہ اپنی عقل سے نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کے متعلق دوسروں کی عقل کو ترجیح دینی چاہیے اور ان کے فیصلہ کو درست ماننا چاہیے۔ اپنی ذات سے متعلق معاملہ پر انسان کس طرح غلطی کھا سکتا ہے۔ اس کا ایک دفعہ مجھے نہایت حیرت انگیز تجربہ ہوا۔ ایک شخص نے مجھے لکھا میرا لڑکا بہت ہوشیار اور لائق تھا۔ خصوصاً عربی میں تو بہت ہی لائق تھا۔ لیکن استادوں نے اس کو فیل کر دیا۔ اب یہ ایسا معاملہ تھا کہ اس کی فوراً تحقیق ہو سکتی تھی۔ کیونکہ پرچے لکھے ہوئے موجود ہوتے ہیں۔ میں نے پرچے منگوائے عربی کے پرچے کے سو نمبر تھے جن میں سے اسے اڑھائی دیئے گئے تھے۔ اب اس میں غلطی کا پکڑنا بہت آسان تھا اور بہت آسانی سے معلوم ہو سکتا تھا کہ لڑکے کی غلطی ہے یا استادوں کی۔ لیکن میں نے جب اس پرچے کو دیکھا تو مجھے نمبر دینے والے استاد پر سخت افسوس ہوا کیونکہ وہ پرچہ اڑھائی نمبروں کے قابل بھی نہیں تھا۔ اس نے ایسے الٹ پلٹ جواب دیئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا اسے عربی سے مس ہی نہیں ہے۔ مثلاً اس سے سوال کیا گیا مضاف کیا ہوتا ہے۔ تو اس نے لکھ دیا یفعل۔ اس سے مضارع کی گردان پوچھی گئی تو اس نے جواب دیا کہ ذھب یذھب۔ اذھب۔ نمبر دینے والے استاد نے اس کی کسی بات کو صحیح سمجھ کر یہ نمبر دے دیئے مگر دراصل اس نے اپنی طرف سے وہ بھی صحیح نہ لکھی تھی۔ بلکہ اس کی مثال ایسی ہی تھی جیسے کسی شخص سے پوچھا جائے۔ انسان کی شکل کیسی ہوتی ہے۔ اور وہ کہدے انسان وہ ہوتا ہے جس کی ایک سونڈ اور دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ اب یہ صحیح ہے کہ انسان کی دو آنکھیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن یہ کہہ کر کہ اس کی سونڈ ہوتی ہے۔ بتا دیا کہ وہ جانتا ہی نہیں انسان کسے کہتے ہیں۔ اور اس کا دو آنکھیں بتانا بھی کچھ

حقیقت نہیں رکھتا۔ اسی طرح اس لڑکے کی حالت تھی۔ اس نے جو بات صحیح بتائی تھی وہ بھی صحیح سمجھ کر نہیں بتائی تھی۔ اس پر میں نے اس کے باپ کو لکھا کہ میرے نزدیک تو اس لڑکے کو جتنے نمبر دیئے گئے ہیں ان کا بھی مستحق نہیں ہے۔ اس نے لکھا لڑکے نے مجھے ایسا لکھا تھا اس لئے میں نے اس کی بات صحیح خیال کر کے شکایت لکھ دی تھی۔ اب ایک ایسا لڑکا جو ماضی کی گردان ذھب۔ یذھب۔ اذھب کرتا ہے اور یفعل کو مضاف بتاتا ہے۔ اپنی جگہ وہ بھی سمجھتا ہے کہ مجھے فیل کیوں کیا گیا۔ مجھے اول درجہ کے نمبروں میں پاس کرنا چاہیے تھا۔ لیکن مجھے تعجب تھا کہ اس کو سو میں سے اڑھائی نمبر بھی کیوں دیئے گئے۔

تو دنیوی معاملات میں ہمیشہ دوسروں کا فیصلہ ہی زیادہ صحیح اور درست ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے مراقبہ کرنا لکھا ہے۔ مراقبہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے کے نقائص دیکھے اور اس طرح اصلاح کی جائے۔ اس کی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ انسان اپنا چہرہ خود نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے چہرے کا نقص دوسرا اسے بتلا سکتا ہے۔ اسی طرح اخلاق اور معاملات میں اس کے نقائص دوسرے ہی اسے صحیح طور پر بتلا سکتے ہیں۔ اگر وہ اپنی رائے پر زور دے گا تو سو میں سے ننانویں دفعہ غلطی پر ہو گا۔ لیکن اگر اپنی رائے کو چھوڑ دے گا اور کثرت کے فیصلہ کو قبول کر لے گا تو ننانویں دفعہ ٹھوکر سے بچے گا۔ پس جب تک تم ایمان اور اخلاق کی حفاظت کے ان ذریعوں کو استعمال نہیں کرو گے۔ تم کبھی صداقت اور راستی کو حاصل نہیں کر سکو گے معاملات دنیوی میں دوسروں کی رائے تسلیم کرنے سے ہی انسان صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ گو کبھی شاذ و نادر نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کے کسی معاملہ کے کسی حصہ میں کثرت کو بھی غلطی لگ سکتی ہے۔ مگر دوسری صورت کا نقصان اس سے بہت زیادہ ہے۔ جس سے کہ اس کا دین ایمان بھی برباد ہو جاتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں اگر اس ایک بات کو ہی اچھی طرح سمجھ لیا جائے اور اس پر عملدر آمد کیا جائے۔ تو نصف سے زیادہ کمزوریاں اللہ چاہے تو دور ہو سکتی ہیں۔ باقی نصف کے دور کرنے کے لئے بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے میں علاج بتلا سکتا ہوں۔ جو کسی دوسرے وقت بیان کروں گا۔ انشاء اللہ امید ہے تمام دوست نہ صرف اپنے دین و ایمان کی حفاظت کریں گے بلکہ دوسروں کے لئے بھی ان کے دین و ایمان کی حفاظت میں ممد اور معاون ہوں گے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم تمام ان ذریعوں کو استعمال میں لا سکیں جن سے اخلاق اور معاملات کی صحت اور درستی ہوتی ہو۔

(الفضل ۳۰ مئی ۱۹۲۵ء)